

بِصَغِيرٍ مِیْے

قانونِ بابت توہینِ مذاہب کی رُوداد

شاہِ محی الحقے فاروقی

یہ تو نہیں معلوم کہ علیگڑھ کے زمانہ طالب علمی میں مولانا محمد علی مرحوم مولانا شبلی نعمانی مرحوم کے باضابطہ شاگرد تھے یا نہیں لیکن اس حقیقت کا اعتراف مولانا محمد علی نے اپنی خودنوشت سوانح عمری نیز اپنے مختلف مکاتیب میں بھی کیا ہے کہ انھوں نے مولانا شبلی سے اکتسابِ علم کیا تھا۔ بہر حال دونوں بزرگوں کے یہاں بہت سی باتیں مشترک ہیں۔ دونوں اچھے شاعر اور اچھے ادیب تھے۔ دونوں اسلام کے نام پر فدا اور ملک و ملت کی معمولی سنی تکلیف پر لیے چین ہو جاتے تھے۔ کانپور کی مسیحا کا حادثہ اس کی ایک مثال ہے۔ کوئی غیر مسلم اسلامی نظریات و معنفات پر اعتراض کرتا تو دونوں تیغ بران بن جاتے۔ عرب کے مشہور عیسائی مورخ حربی زیدان نے التمدن الاسلامی لکھ کر اسلامی تہذیب پر چھینٹے اٹلے تو اس کا جواب کسی عرب ادیب یا مورخ نے نہیں بلکہ ہندوستانی عالم مولانا شبلی نعمانی نے "النقد علی التمدن الاسلامی" لکھ کر مصر کے مشہور مجلہ المنار کے ایڈیٹر جناب رشید رضا مصری کی زبان میں عالم اسلام کی جانب سے فرسخ کفایہ ادا کر دیا۔ اسی طرح نومبر ۱۹۱۷ء میں (جو اتفاق سے مولانا شبلی کا ماہ و سال وفات بھی ہے) جب لندن ٹائمز نے پہلی جنگ عظیم میں شرکت اور عدم شرکت کے سلسلہ میں ترکوں کے خلاف ایک نہایت اشتعال انگیز مضمون لکھا تو وہ بھی ہندوستان ہی کے مسلمان رہنما مولانا محمد علی تھے جو اس مضمون کو پڑھ کر تڑپ اٹھے اور مسلسل چالیس گھنٹے صرف چائے اور ہتھوڑ پر گزار کر انھوں نے نہایت طویل زوردار جوابی مضمون (CHOICE OF TURKS) لکھ کر کامریڈ میں شائع کیا جس کی پاداش میں انہیں پانچ سال کی نظربندی کے بعد رہائی نصیب ہوئی۔

مولانا محمد علی اور مولانا شبلی کی یہی مماثلت ہمیں ہندوستان کی تاریخ قانون سازی میں بھی ملتی ہے۔ ہمارے ہاں ایسے لیڈروں کی کمی نہیں جو ملک و ملت کے مسائل پر تقریر و تحریر کے ذریعہ اپنی رائے کا اظہار کرتے رہیں،

صدائے احتجاج بلند کریں اور ہوسکتے تو آگ بھی لگادیں لیکن عالم جوش میں ہوش سے کام لینے والے اور لگی ہوئی آگ کو نہ صرف بجھانے بلکہ آئندہ کے لئے اس کا سدباب کر دینے والے رہنماؤں میں مولانا شبلی اور مولانا محمد علی جیسے رہنماؤں کو ہمیشہ یاد کیا جائے گا۔

ہندوستان کے مسلمان فضول خرچی اور عیاشی میں اپنی جائیدادیں ہندوؤں کے ہاتھ بیچ دیتے تھے۔ اس طرح غیر منقولہ جائیداد مسلمانوں سے نکل کر رفتہ رفتہ ہندوؤں کے ہاتھوں میں جا رہی تھیں۔ کچھ دورانہ لیش مسلمانوں نے اپنی جائیدادیں وقت کے ذریعہ محفوظ کرنا چاہیں تو پریوی کونسل کا فیصلہ مزاحم ہو گیا۔ یہ کیفیت دیکھ کر مولانا شبلی دل ہی دل میں کڑھ رہے تھے لیکن انھوں نے یہ نہیں کیا کہ کھڑے ہو کر بیچنے والوں کو گالی اور خریدنے والوں کو بددعا دینے لگتے یا پریوی کونسل پر طنز و تشنیع کے تیر برس سانسے لگتے۔ انھوں نے انتہائی تدریک کے بعد اس کا مستقل حل وقت علی الاو لاڈ کو قانونی شکل دلانے میں نکالا۔ یہ قانون انہیں کی کوششوں سے اپنے آخری مراحل تک پہنچا اور قائد اعظم (محمد علی جناح) نے مرکزی اسمبلی میں اسے پیش کر کے وقت ایکٹ نمبر ۱۹۱۳ء منظور کرایا تفصیل کا یہاں موقع نہیں۔ اس وقت ہمارا موضوع وہ کوششیں ہیں جو اس واقعہ سے چودہ سال بعد مولانا محمد علی نے قانون فوجداری میں ترمیم کے سلسلہ میں کیں اور ان کی یہ کوشش تحریک ہند کی دفعہ ۲۹۵ میں ترمیم اور دفعہ ۲۹۵ الف کے اضافہ کی شکل میں آج بھی موجود اور نافذ العمل ہے۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ ۱۹۲۴ء میں رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک سے متعلق ایک نہایت گستاخانہ کتاب پنجاب کے ایک بد زبان آریہ کے قلم سے نکلی۔ اس سے پہلے بھی شدید سنگسٹوں کے یہ پرچارک اسی قسم کی متعدد کتابیں لکھ چکے تھے جن سے برصغیر کے مسلمانوں میں بے انتہا اشتعال پھیل چکا تھا۔ بالآخر حکومت وقت نے اس کتاب کے مصنف پر پنجاب ہائی کورٹ میں مقدمہ چلایا۔ مقدمہ کی سماعت جسٹس ولیپ سنگھ نے کی جو نہایت عیسائی ہونے کے باوجود نام سے ہندو یا سکھ معلوم ہوتے تھے۔ اپنے فیصلہ میں جسٹس ولیپ سنگھ نے لکھا کہ کتاب کی عبارتیں کسی ہی ناخوشگوار کیوں نہ ہوں، بہر حال یہ کسی قانون کی خلاف ورزی نہیں کرتیں بلکہ حدود قانون کے اندر ہیں۔

اس فیصلہ نے تمام اسلامی ہند میں آگ لگادی اور لوگوں نے تقریر و تقریر کے ذریعہ ہندوؤں پر، حکومت پر، عدلیہ پر اور خاص طور سے جسٹس ولیپ سنگھ پر سخت تنقیدیں کیں۔ لیکن ایک مولانا محمد علی کی ذات اس مقدمہ سے متعلق تمام ہنگامہ میں خاموش تھی۔ انھوں نے نہ اس موضوع پر تقریر کی نہ اپنے ہمدرد میں

بذریعہ مخبر ریاس پراٹھا خیال کیا۔ یہ وہی محمد علی تھے جو عالم اسلام کے کسی دور دراز گوشہ میں بھی ایک مسلمان کے کانٹا چبھ جانے پر تڑپ اٹھتے تھے۔ وہی محمد علی جو سیاست میں گاندھی جی کو اپنا رہنما ماننے کے باوجود بھرے جلسہ میں اعلان کرتے تھے کہ جہاں تک عقیدہ اور ایمان کا تعلق ہے میں ایک فاسق و فاجر مسلمان کو بھی گاندھی جی پر ترجیح دیتا ہوں اب وہی محمد علی تھے جو خاموشی سے حالات کا منظر غائر مطالعہ کر رہے تھے۔ گوان کی یہ خاموشی بعض لوگوں کو ان کی جانب سے شک و شبہ میں مبتلا کرنے کا باعث ہوئی اور ان کے حریفوں نے کھلم کھلا ان پر ہندو کی طرف زاری کرتے، کانگریس سے تنخواہ پانے اور ہندو روٹو ساکے ہاتھوں تک جانے کا الزام لگانا شروع کر دیا۔

آخر کچھ دنوں کے غور و خوض کے بعد مولانا محمد علی نے ۲۷ جون ۱۹۲۷ء کے ہمدرد میں پہلی بار اس مسئلہ پر اپنی رائے دی۔ شروع شروع میں تو جو شیعیلے مسلمان اتنی ٹھنڈی بات سننے پر بھی آمادہ نہ ہوئے لیکن حیب انھوں نے بار بار وہی بات دہرائی شروع کی تو آہستہ آہستہ لوگ اس تجویز پر غور کرنے کے لئے آمادہ ہوتے گئے۔ اس سلسلہ میں جولائی ۱۹۲۷ء کو کولھتو میں ایک عظیم الشان جلسہ منعقد ہوا جس میں ناموس رسولؐ کے دینی تعاضد نے تمام وہابیوں، بدعتیوں، شیعوں اور سنیوں کو صرف کلمہ گو اور صرف مسلمان کی حیثیت سے ایک پلیٹ فارم پر لاکر کھڑا کر دیا۔ اس جلسہ میں صدر جلسہ مولانا محمد علی کے پہلو پہ پہلو ایک ہی تخت پر ترقیب اہل سنت النجم کے مدیر اور شیعہ کانفرنس کے سیکرٹری بیٹھے ہوئے تھے۔

جلسہ کی ابتدا مولوی ظفر الملک علوی مرحوم کی تقریر سے ہوئی۔ تقریر اتنی سخت تھی کہ مجمع جو پہلے ہی سے مشتعل تھا، بھڑک اٹھا اور چشم دید گواہوں کے بیان مطابق ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ مجمع بے قابو ہو کر قانون کو اپنے ہاتھ میں لے لے گا۔ اس عالم میں مولانا محمد علی کی تقریر شروع ہوئی۔ ان کی تقریر نرم و گرم، جوش و ہوش کا ایک نہایت دلچسپ اور انٹرا فرین مجموعہ تھی۔ پہلے تو انھوں نے جلسہ کو خوب گرمایا اور پھر ٹھنڈا بھی خوب کیا ان کی طویل تقریر کا ایک اقتباس آپ بھی سنئے :-

”ایسی کتابیں اور مضامین یقیناً ہر مسلمان کا خون کھولا دینے کے لئے کافی ہیں، جتنا بھی جوش و خروش آپ میں پیدا ہو سب بجا ہے لیکن اصل کوشش فتنہ کے سرچشمہ کو نیک کرنے کی ہونی چاہیے نہ کہ فلاں جج کو سٹا دینے کی۔ قصور قاضی کا نہیں، قصور خود قانون کا ہے۔ میں کوئی وکیل نہیں، بیرسٹر نہیں۔ تالان میں نے جو کچھ سیکھا ہے وہ بار بار ملزم کی حیثیت سے عدالت کے کٹہرے میں کھڑے ہو کر سیکھا ہے۔ تو مجھ عامی کا پُر زور مشورہ یہی ہے کہ آئندہ سدبابِ فتنہ کے لئے قانون ہی کو بدل لوئیے اور تعزیراتِ ہند میں ایک مستقل دفعہ بڑھوا کر توہین

بانیانِ مذہب کو جرم قرار دیجیے۔ اب تک یہ کوئی مستقل جرم ہی آپ کے ملکی قانون میں نہیں۔ رعایا کے فرقوں کی دل آزاری کے تحت بعض عدالتیں ایسے مجرموں کو سزا دے دیتی ہیں لیکن یہ تو حاکم کارائے ہوئی کوئی مستقل قانون تو نہ ہوا۔ اس اسمبلی کا ممبر نہیں۔ دفعہ کا مسودہ میں تیار کئے دیتا ہوں، کوئی ممبر صاحب اس میں مناسب لفظی ترمیم کر کے اسے اسمبلی میں پیش کریں اور منظور کر لیں تاکہ ہمارے آقا و ہادی اور ان کے ساتھ تمام دوسرے مذہبوں کے محترم بانیوں کی شخصیتیں بد زبان و بے لگام لکھنے والوں کے حملے محفوظ رہیں۔ علیٰ رنگ میں کسی مذہب پر یا تاریخی حیثیت سے کسی مذہب کے بانی پر سنجیدہ تنقید کرنا بالکل دوسری شے ہے اس کا دروازہ ہمیشہ کھلا رہتا چاہیے لیکن جو طعن و لغزین، توہین اور سب و شتم کسی مذہب کے بھی پیروں یا دوسرے بزرگان دین کے حق میں ہو آج سے اسے ہندوستان کے قانون میں قطعی جرم قرار دینا چاہیے۔

ہندوستان کے مشہور عالم مولانا عبدالمجید دریا بادی کی زبان میں :-

”یہ تقریر محمد علی کی صحیح اور تاریخی رہنمائی کی ایک مثال تھی۔ شروع شروع اقبال تک اس کے مؤید نہ تھے۔ رفتہ رفتہ سارا ملک تائید کرنے لگا اور کہاں تو قوم ایک محدود اور شخصی مقصد (جسٹس کنور ولیپ سنگھ کی بطنی کے پیچھے لگی ہوئی تھی۔ کہاں اس بلند اور اصولی مقصد کو اس نے اپنا نصب العین بنا لیا۔ کامیڈ تو بند ہی ہو چکا تھا۔ اب بے دے کے ہمدردی تھا جس کی اشاعت محدود تھی اور زائد ہوتی بھی کیسے۔ محمد علی کی تاکید تھی کہ ”اخباری سنسنی خیزی“ سے ہمدرد اپنا دامن بچائے رکھے۔ بہر حال کچھ اس کے سہارے کچھ زبانی تقریروں سے اللہ تعالیٰ نے اتنی برکت دے دی کہ یہی تحریک مقبول ہو گئی اور چند ہفتوں کے اندر ایک ممبر نے اسمبلی میں تعزیرات ہند کی دفعہ ۲۹۵ میں اضافہ کر کے دفعہ ۲۹۵ الف کے نام سے یہ دفعہ بھی منظور کرادی جس کے الفاظ تک اصلاً محمد علی ہی کے مرتب کئے ہوئے ہیں اور یہ دفعہ جب تک بھی ملک کے قانون میں موجود رہے گی اس کا اجر ان کے نامہ عمل میں ثبت ہوتا رہے گا۔“

توہین رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حادثہ سے پہلے قانون کی متعلقہ دفعہ (دفعہ ۲۹۵ مجموعہ تعزیرات ہند۔ اب مجموعہ تعزیرات پاکستان) حسب ذیل الفاظ پر مشتمل تھی :-

”جو کوئی شخص کسی عبادت گاہ کو یا کسی ایسی چیز کو جو اشخاص کی کسی جماعت کی طرف سے مقدس سمجھی جاتی ہو، اس نیت سے برباد کرے، نقصان پہنچائے یا ناپاک کرے کہ باس طور وہ اشخاص کی کسی جماعت کے مذہب کی تذلیل کرے یا اس علم کے ساتھ کہ اشخاص کی کسی جماعت کی مذکورہ بربادی، نقصان یا ناپاکی کو

ان کے مذہب کی تزییل سمجھنے کا احتمال ہے تو ایسے کسی ایک قسم کی سزائے قید راتنی مدت کے لئے دی جائے گی جو دو سال تک ہو سکتی ہے یا جرمانے کی سزایا دونوں سزائیں دی جائیں گی۔“

اس دفعہ میں ترمیمی بل (دفعہ ۲۹۵ الف) حکومت ہند کے ہوم ممبر آرنیبل مسٹر جیمس کریار سی، ایس، آئی، سی، آئی، اے، ای نے ہندوستان کی قانون ساز اسمبلی کے سامنے ۵ ستمبر ۱۹۳۷ء کو بائیں الفاظ پیش کی کہ اس بل (مسودہ) کو حسب ذیل اراکین پر مشتمل ایک مجلس منتخبہ (SELECT COMMITTEE) کے سپرد کر دیا جائے تاکہ وہ سات روز کے اندر اندر اپنی رپورٹ دیں

(۱) مسٹر سری نواس آننگکر (۲) مسٹر نرمل چندر چندر (۳) مولوی محمد شفیع (۴) مسٹر اے رائگا سوامی
آننگکر (۵) مسٹر ایم۔ اے۔ جناح (۶) مسٹر اسماعیل خان (۷) مسٹر عبدالحمی (۸) مسٹر آرتھر مور (۹) مسٹر اے
ایچ غزنوی (۱۰) مسٹر این، سی، کیلکر (۱۱) مسٹر ایم۔ آر۔ جائیکر (۱۲) مسٹر جے۔ کوٹھن (۱۳) مسٹر کے۔ سی۔ رائے
(۱۴) سر عبدالقیوم (۱۵) سر ڈینس برے (۱۶) لالہ لاجپت رائے (۱۷) ہوم ممبر

مجلس منتخبہ کا کورم نورا لکین کی موجودگی تجویز کی گئی۔ اس بل کو پیش کرتے وقت ہوم ممبر نے بل کے اغراض و مقاصد پر ایک طویل تقریر کی اور بتایا کہ ضابطہ فوجداری کے ابتدائی مسودہ پر تبصرہ کرتے ہوئے اسٹی سال پہلے انڈین لاء کمشنروں نے ضابطہ میں مذہب کے متعلق باب پر جو تبصرہ کیا تھا، وہی اس بل کے بارے میں بھی کیا جاسکتا ہے۔

”جس اصول پر اس باب کو قائم کیا جا رہا ہے وہ یہ ہے کہ ہر شخص کو اس بات کی اجازت ہونی چاہیے کہ وہ اپنے مذہب کی پیروی کرے لیکن کسی کو اس بات کی اجازت نہیں ہونی چاہیے کہ وہ دوسرے کے مذہب کی بے عزتی کرے“

ہوم ممبر نے کہا کہ یہ بل بہت اہم مسائل پر مشتمل ہے۔ اس کی فوری طور پر ضرورت ایک ایسے معاملہ کی وجہ سے ہے جو ان دنوں ہندوستان کو درپیش ہے۔ ہوم ممبر نے کہا کہ پہلے میں یہ تجویز کرنا چاہتا تھا کہ یہ بل فوراً منظور کر لیا جائے لیکن مجھے معلوم ہوا ہے کہ بعض حلقے چاہتے ہیں کہ اس پر مکمل غور و خوض مجلس منتخبہ میں ہونا چاہیے۔ ہوم ممبر نے مجموعہ تعزیرات ہند کی متعلقہ دفعات کا تجزیہ کر کے بتایا کہ مجموعہ تعزیرات ہند یا ضابطہ فوجداری کی موجودہ دفعات کا اطلاق کسی مذہب یا مذہبی جذبات کے خلاف کسی گستاخانہ تقریر یا تحریروں پر نہیں ہونا۔

اس بل پر اراکین میں سب سے پہلے مشرقی پنجاب کے مسلمان مسٹر عبدالحمیٰ بولے۔ ابھی وہ اس بل کے پیش کرنے پر حکومت کو مبارکباد ہی دے پائے تھے کہ ممبئی کے مسٹر ڈی۔ وی۔ بلیوی (غیر مسلم) نے صدر اسمبلی (آنریبل مسٹر وی۔ جے۔ ٹیل) کی توجہ اپنی ایک ترمیم کی جانب مبذول کرائی جس میں انھوں نے تجویز کیا تھا کہ بل کو رائے عامہ کے لئے مشہور کر دیا جائے، لیکن صدر نے ان سے اپنی باری تک صبر کرنے اور مسٹر عبدالحمیٰ سے تقریر جاری رکھنے کے لئے کہا۔

مسٹر عبدالحمیٰ نے انہوں سے ظاہر کیا کہ اس مقصد کے لئے قانون سازی کی ضرورت پیش آئی۔ انھوں نے کہا: "میں یہ نہیں چاہتا کہ اس بل پر تقریر کر کے پہلے ہی سے قابل انہوں حالات کو اور بدتر کر دوں کیونکہ اس ایوان سے باہر مختلف فرقوں کے بعض رہنما حالات کو سدھارنے کی کوشش کر رہے ہیں" (ان رہنماؤں میں مولانا محمد علی یقیناً شامل ہوں گے)۔ مسٹر عبدالحمیٰ نے کہا کہ جہاں تک میرے مذہب کا تعلق ہے تو ہمارے یہاں پہلے ہی سے قرآن پاک میں یہ حکم موجود ہے کہ کوئی مسلمان کسی مذہب یا مذہبی فرقت کے بانی کو برا بھلا نہ کہے انھوں نے کہا کہ اگر کسی مسلمان نے "انیسویں صدی کا مہاراشی" (یا ایسا ہی کوئی اور مغلط) لکھا ہے تو مجھے یہ کہنے میں کوئی باک نہیں کہ اس نے بڑی غیر اسلامی حرکت کی ہے۔ مسٹر عبدالحمیٰ کی رائے تھی کہ سزا کی مجوز مدت بہت کم ہے۔ مسٹر ڈی۔ وی۔ بلیوی نے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ یہ قانون بڑا ہیجان خیز ہے اور اسے رائے عامہ کے لئے مشہور کرنا چاہیے۔

لالہ لاجپت رائے (جائیدہ غیر مسلم) نے تقریر کرتے ہوئے مسٹر بلیوی کی رائے سے اختلاف کیا اور کہا کہ مجھے جب "ریگنیلار سول" کے مقدمے میں فیصلہ کا حکم ہوا تو میں نے اسی وقت کہا کہ اگر چہ فنی بنیادوں پر "ریگنیلار سول" کا مصنف بری ہو گیا ہے اور جج کا فیصلہ قانون کی نظروں میں بالکل صحیح ہے لیکن مصنف اخلاقی مجرم ہے۔ لالہ لاجپت رائے نے اپنے ایک اخباری بیان کا طویل اقتباس بھی سنایا جو ۲۹ مئی ۱۹۳۷ء کو لاہور کے ایک انگریزی اخبار پیپلز میں شائع ہوا تھا۔ اس بیان میں انھوں نے مہاشہ راجپال سے اپنی کتاب کی فروخت بند کرنے اور آریہ سماج سے اس مضمون کی کتابوں کی اشاعت کی ہمت شکنی کرنے کی اپیل کی تھی۔ آخر میں انھوں نے درخواست کی کہ مجلس مندرجہ میں ان کی جگہ پنڈت مدن موہن مالویہ کو رکھا جائے۔ یہ درخواست منظور ہو گئی۔ اسی دن یعنی ۵ ستمبر کو دوپہر کے ۱۳ بجے مسٹر ایم۔ اے۔ جناح (ممبئی شہر مسلم شہری) نے اپنی تقریر میں مسٹر بلیوی کی اس تجویز کی کہ بل کو رائے عامہ کے لئے مشہور کیا جائے مخالفت کرتے ہوئے کہا کہ اس تاخیر

سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ انھوں نے مسٹر بلیوی سے اپنی تجویز واپس لینے پر اصرار کیا۔ انھوں نے آخر میں کہا ”مجھے معلوم ہوا ہے کہ میرے دوست نواب سرزوالفقار علی خان بھی مجلس منتخبہ میں شامل ہونا چاہتے ہیں۔ مسٹر جناح نے امید ظاہر کی کہ ہوم ممبر یہ اضافہ منظور کر لیں گے۔ ایوان نے یہ اضافہ منظور کر لیا۔

اس کے بعد جنوبی ارکاٹ لیٹنول چیپکل پٹ (غیر مسلم دیہی) کے مسٹر ایم۔ کے اچار سینے ایک طویل تقریر میں ہندومت کی تفریق کی۔ ان کے اس جملہ پر تہمت پڑا کہ اگر ایک بھی سچا برہمن دنیا میں رہا تو دنیا محفوظ رہے گی۔ انھوں نے مسٹر بلیوی کی تائید کی۔

مدراں شہر (غیر مسلم شہری) کے مسٹر ایس۔ سری نواس آننگر نے ایک سلجھی ہوئی تقریر میں مسٹر بلیوی سے اپنی تجویز واپس لینے کی درخواست کی۔

مولوی سید مرتضیٰ صاحب بہادر (جنوبی مدراس مسلم) نے اسلام کی تشریح کرتے ہوئے کہا کہ اسلام کے معنی ہی امن کے ہیں۔ ہمارے مذہب کا فلسفہ یہ ہے کہ

مے خور و مصحف لبوز و آتش اندر کعبہ زن
ہر چہ خواہی کن ولیکن مردم آزاری ممکن

انھوں نے کہا کہ یہ فلسفہ مجھے مسٹر اچار یہ نہیں پڑھایا ہے۔

مولوی محمد شفیع (ترہت مسلم) اور میاں محمد شاہ نواز (مغربی وسطی پنجاب) نے بھی مسٹر بلیوی سے اپنی تجویز واپس لینے کی اپیل کی۔

پنڈت مدن موہن مالویہ (حلقہ الہ آباد اور جھانسی، غیر مسلم دیہی) کی تجویز پر سر ہری سنگھ گورکھو بھی مجلس منتخبہ میں شامل کر لیا گیا۔

شام کی نشست میں حلقہ انبالہ (غیر مسلم) کے پنڈت ٹھاکر داس بھارگووانے سید مرتضیٰ صاحب بہادر کے پڑھے ہوئے فارسی شعر کا مذاق اڑایا اور کہا کہ میں نے آج تک کبھی ایسا کفریہ کلمہ نہیں سنا۔

متعلقہ کارروائی کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر ایک طرف تمام کے تمام مسلمان اراکین اس بات کے حق میں تھے کہ بل کو حلد از حلد پاس کر دیا جائے تو دوسری جانب ہندو اراکین کی ایک اچھی خاصی تعداد یہ چاہتی تھی کہ بل کو مشہور کیا جائے اور تمام صوبوں سے رائے لی جائے۔

ہندو اراکین یہ تاثر بھی دے رہے تھے کہ اس بل کی زد ہندوؤں ہی پر پڑے گی۔

بحث میں ایک مضمون کا بھی ذکر کیا گیا جو حسن نظامی صاحب کے منادی میں شائع ہوا تھا لیکن حکومت نے ان پر مقدمہ نہیں چلایا کیونکہ انہوں نے معافی مانگ لی تھی۔

یوپی کے تصدق احمد خان شیروانی نے کہا کہ چونکہ اس قانون کا مطلب یہ ان کی اپنی قوم نے کیا ہے اس لئے وہ اس کی مخالفت نہیں کرتے ورنہ ذاتی طور پر وہ ایک ایسے ایوان سے جو خود اپنی حفاظت نہیں کر سکتا ایسا قانون بنوانے میں بے عزتی محسوس کرتے ہیں جو ان کے پیغمبر کی حفاظت کرے۔ انہوں نے بل کے الفاظ کو پسند نہیں کیا اور کہا کہ مذہب سے آگے بڑھ کر خود ایک ہی مذہب کے بہت سے فرقوں میں اختلافات موجود ہیں اور اس قانون کی زدان پر بھی پڑ سکتی ہے۔ انہوں نے کہا کہ آج ہی بحث میں گفتگو پیغمبروں سے متروغ ہو کر شیواجی اور اورنگ زیب تک آگئی تھی اور ہو سکتا ہے کہ کل وہ پنجاب کے دو معزز اراکین تک پہنچ جائے۔ انہوں نے مجلس منتخبہ کے ممبروں سے اپیل کی کہ بل کے دائرہ کو ممکن حد تک محدود کر دیا جائے۔

ہوم ممبر کی آخری تقریر کے بعد ایوان کی رائے لی گئی جس نے مسٹر بیلوی کی ترمیم مسترد کر دی اور بل کا مسودہ مجلس منتخبہ کے سپرد کر دیا گیا۔

مجلس منتخبہ کی رپورٹ پر قانون ساز اسمبلی نے ۱۶ ستمبر سے ۱۹ ستمبر ۱۹۲۷ء تک غور کیا۔ بہت سے اراکین نے اس پر رائے دی۔ مسٹر بیلوی نے تجویز پیش کی کہ مجلس منتخبہ کی رپورٹ کو ۱۵ جنوری ۱۹۲۸ء تک رائے عامہ حاصل کرنے کے لئے مشہور کر دیا جائے۔

مسٹر بیلوی نے کہا کہ ایوان کے باہر انہوں نے بہت سے لوگوں سے رائے لی ہے اور وہ ان سے متفق ہیں ان لوگوں میں ایک بہت بڑی شخصیت احمدیہ فرقہ کے سربراہ کی بھی ہے۔ وہ بھی اس بل کے الفاظ سے مطمئن نہیں ہیں اور چاہتے ہیں کہ اسے رائے عامہ کے لئے مشہور کر دیا جائے۔

راج شاہی ڈویژن کے مسٹر کبیر الدین احمد نے مسٹر بیلوی کی تردید کی اور کہا کہ "تقدس مآب" اس بل کے اصل مدعا سے متفق ہیں۔ مسٹر بیلوی نے کہا کہ میری تردید کرنے سے بہتر یہ ہے کہ "تقدس مآب" کے سیکرٹری سے جو اسی عمارت میں موجود ہیں پوچھ لیا جائے۔ لیکن اسمبلی کے صدر (آئرلینڈ مسٹری جے پٹیل) نے فوراً ہی کہا کہ اراکین گیلری کے کسی تماشائی کا حوالہ کسی قیمت پر نہ دیں۔

اصل بل میں "ارادی اور کینڈ ورائن مقصد سے" کے الفاظ نہیں تھے۔ یہ اضافہ مجلس منتخبہ نے کیا تھا اس ترمیم کی تشریح کرتے ہوئے مسٹر ایم اے جناح نے کہا کہ ہمارا مقصد ایمان دار کی حفاظت تھا

مسٹر جسٹس ولیم سٹیک کی قانونی لیاقت پر بھی تنقید کی گئی۔

مسٹر شیروانی اپنی بات پر مصر رہے کہ یہ قانون غیر ضروری ہے۔ انھوں نے کہا کہ اس سے مذہبی جنون میں کمی نہیں ہوگی بلکہ زیادتی ہوگی۔ انھوں نے کہا کہ مجھے اپنے پیغمبر کو بچانے کے لئے کسی ہندوستانی قانون کی ضرورت نہیں ہے اگر کوئی میرے رسولؐ کو زنگیلا کہے گا تو میں اس سے کہوں گا کہ اس کی شخصیت وہ ہے جس نے تیس سال کے عرصہ میں ایک وحشی، جنگلی اور خوفناک قوم کو دنیا کا فاتح بنا دیا۔ اگر اس قسم کے رسول زنگیلا ہوتے ہیں تو میں خدا سے دعا کروں گا کہ وہ ہر قوم کو ایسے زنگیلا نصیب کرے۔ مسٹر شیروانی نے کہا کہ میری حیثیت ایک نمائندہ کی ہے۔ اور بد قسمتی سے میں جن سات شہروں کی نمائندگی کرتا ہوں ان میں سے چار نے اس قانون کے حق میں تجویزیں منظور کی ہیں اس لئے میں بھی اس کی تائید کرتا ہوں۔ انھوں نے کہا کہ ہم مذہبی جنونیوں کو قانون کے ذریعہ درست نہیں کر سکتے۔ ان کی سزا یہی ہے کہ یہ جہنم میں جائیں گے۔

صاحبزادہ نواب سر عبدالقیوم (شمال مغربی سرحدی صوبہ، نلنڈ وغیر سرکاری) نے مسٹر شیروانی کی تقریر کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا کہ یہ میز کا ایک اچھا خطبہ ہے۔

راجہ غضنفر علی خان (شمالی پنجاب مسلم) نے ایک طویل تقریر میں امراتہ مدت کے اس الزام کی تردید کی کہ زنگیلا رسول کے خلاف مسلمانوں کے مظاہرے مصنوعی تھے۔ انھوں نے مسٹر شیروانی کی تقریر کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ مجوزہ قانون کا مقصد پیغمبر یا پیغمبروں کی حفاظت یقیناً نہیں ہے کیونکہ وہ ان چیزوں سے ملند ہیں اس قانون کا مقصد تو ملک معظم کی رعایا کے مختلف طبقوں میں رنجش اور دشمنی کو روکنا ہے۔ انھوں نے کہا کہ اس قانون کی مخالفت زیادہ تر ان اراکین نے کی ہے جن کا تعلق پولیس سے ہے اور میں اگرچہ پولیس کی آزادی کا قائل ہوں لیکن آج کل ہمارے پولیس کی جو حالت ہے اسے دیکھتے ہوئے کسی بھی فرستہ کا ہوش مند آدمی یہی کہے گا کہ خدا ہمیں پولیس سے بچائے۔

بل کے مسودہ میں مختلف ترمیمات پیش کی گئیں اور ان پر بحث اور اراکین کی تقسیم (DIVISION) ہوئی۔ مذہبی رہنماؤں کی تعریف پر بھی خاصی دلچسپ بحث ہوئی اور مسٹر بی، داس نے کہا کہ :-

” بڑھا تو میر، گھٹا تو فقیر، مرا تو پیر“

بعض ہندو ممبروں نے جو اس بل کے مخالف تھے اس کا مذاق اڑانے کی کوشش کی اور ترمیم پیش کی کہ یہ بل مسلمانوں کے پیغمبرؐ سے مخصوص ہونا چاہئے۔ سر سہری سنگھ گورنر نے اس قانون پر ایک دستوری

اعتراض یہ کیا کہ ہم ہندوستان میں انگریزی قانون کی مثال نہیں لے سکتے کیونکہ انگلستان کے قانون میں بادشاہ "حامی دین" ہوتا ہے اور بادشاہ اور پارلیمنٹ کی ذمہ داری ہے کہ وہ پروٹسٹنٹ چرچ کی حفاظت کریں لیکن حکومت ہندوستان اس ملک میں امن کی محافظ ہے عقیدہ کی محافظ نہیں۔

آخر کار ایک طویل بحث کے بعد اسمبلی کے صدر نے مسودہ قانون کو رائے شماری کے لئے ایوان کے سامنے پیش کر دیا اور چھبیس ووٹوں کی مخالفت اور اکتھ و ووٹوں کی موافقت سے قانون ساز اسمبلی نے ۱۹ ستمبر کو یہ بل منظور کر کے کونسل آف اسٹیٹ بھیج دیا۔ ان چھبیس مخالفت اراکین میں کوئی مسلمان رکن نہیں تھا۔ اس قانون کے حق میں رائے دینے والے ہندو ممبروں میں گوبال سوامی آننگز، جی۔ ایس۔ باجپئی، سری نواس آننگز، سر بھوپندر ناتھ مترا اور ڈاکٹر بی۔ ایس۔ موہنجے نمایاں تھے۔

۳۱ ستمبر ۱۹۴۷ء کو کونسل آف اسٹیٹ کے سامنے ہوم سیکرٹری مسٹرا ایچ۔ جی۔ ہیگ نے یہ مسودہ قانون پیش کیا۔ کونسل کی صدارت آرنیبل سر ہنری مانکرلیف اسمتھ ناٹ۔ سی۔ آئی۔ اے کر رہے تھے۔ بل پر بولنے والے مسلمان اراکین میں مسٹر محمود سہروردی (مغربی بنگال) سید محمد بادشاہ صاحب بہادر (مدرا س) اور سر عمر حیات خان (پنجاب) اور ہندو اراکین میں سیٹھ گوندو اس (سی پی) اور پنڈت شیام بہاری مہرا قابل ذکر ہیں۔ کونسل میں بھی عام رجحان یہی تھا کہ ہندو ممبروں کی ایک معتدبہ تعداد مسودہ کی مخالفت کر رہی تھی اور مختلف ترمیموں کے ذریعہ اسے ہلکا بنانا چاہتی تھی۔ بحث کے بعد مسودہ قانون رائے شماری کے لئے پیش ہوا اور کونسل نے کثرت رائے سے اسے منظور کر لیا۔

ان تمام مراحل سے گزر کر وہ مسودہ قانون جیسے اصلاً مولانا محمد علی مرحوم نے اور قانوناً ہوم ممبر نے پیش کیا حسب ذیل الفاظ میں اب جزو قانون ہے اور دفعہ ۲۹۵ الف کی شکل میں مجموعہ تعزیرات پاکستان میں موجود ہے

"جو کوئی شخص (پاکستان کے شہریوں) کی کسی جماعت کے مذہبی جذبات کی بے حرمتی کرنے

لے فرمان تطبیق ۱۹۶۱ء کی دفعہ ۲ اور جدول کی رو سے "ملک معظم کی رعایا" کی بجائے تبدیل

کیا گیا۔ (نفاذ پندرہ مارچ ۱۹۵۶ء)

کے ارادی اور کینہ و روانہ مقصد سے الفاظ کے ذریعہ خواہ زبانی ہوں یا تحریری یا دکھائی دینے والے خاکوں کے ذریعہ مذکورہ جماعت کے مذہب یا مذہبی اعتقادات کی تذلیل کرے یا تذلیل کرنے کی کوشش کرے تو اسے کسی ایک مضمم کی سزائے قید اتنی مدت کے لئے دی جائے گی جو دو سال تک ہو سکتی ہے یا جرمانے کی سزا یا دونوں سزائیں دی جائیں گی۔

کتابیات

- ۱- حیات شبلی از سید سلیمان ندوی ، مطبوعہ دارالمصنفین اعظم گڑھ۔
- ۲- ”محمد علی“ حصہ اول از عبدالماجد دریا بادی مطبوعہ دارالمصنفین اعظم گڑھ۔
- ۳- تیسری قانون ساز اسمبلی (۱۹۲۷ء) کے پہلے اجلاس کی روداد۔ جلد چہارم و پنجم مطبوعہ گورنمنٹ آف انڈیا پریس، شملہ، جنوری ۱۹۲۸ء۔
- ۴- دوسری کونسل آف اسٹیٹ (۱۹۲۷ء) کے تیسرے اجلاس کی روداد۔ جلد دوم مطبوعہ گورنمنٹ آف انڈیا پریس، شملہ، نومبر ۱۹۲۷ء۔
- ۵- مجموعہ تقریرات پاکستان۔ ناشر مینیجر مطبوعات حکومت پاکستان۔ مطبوعہ ایجوکیشنل پریس، کراچی۔ شائع کردہ وزارت متعلقہ امور (شعبہ قانون)

